حکم و عبر

محمد سعید الرحمٰن علوی

کیا اِن رسومات سے "حقِ اطاعت" ادا ہو جاتا ہے؟

"میثاق" کی حالیہ اشاعت ہی میں ہم نے بعض تنظیمی احباب کی خواہش پر ربیع الاوّل کی مناسبت و حوالہ سے مروّجہ بدعات بالخصوص "میلاد" پر گفتگو کرنا چاہی تھی تاکہ برادران دینی معاشرہ میں جڑ پکڑنے والی خرابیوں کی حقیقت سے واقف ہو کر ان کے استیصال کی فکر کر سکیں، لیکن جب قلم اٹھایا تو بات "سنّت و بدعت" کی طرف مڑ گئی اور بحمد اللہ تعالیٰ اس موضوع پر ایک اچھی چیز لکھی گئی جس سے یقیناً اپنی نیت کے بقدر ہمیں بھی اجر ملے گا اور بہت سے حضرات کو اس سے فائدہ بھی ہو گا ـــــ اس تحریر کے آخر میں البتہ مختصراً "میلاد" کے سلسلہ میں بھی گفتگو ہو گئی لیکن چونکہ ہمارے خیال میں وہ گفتگو ناکافی تھی اور ابھی "حکمتِ قرآن" کے سلسلہ میں "حکم و عبر" کے طے شدہ عنوان سے لکھنا باقی تھا۔ اس لئے سوچا کہ "میثاق" میں جس بات کی تشنگی کا احساس ہمیں خود ہوا ہے، اس کا ازالہ یہاں کر دیا جائے۔

گو یہ تحریر احباب کے سامنے اس وقت آئے گی جب یہ "ہنگامہ" فرو ہو چکا ہو گا لیکن مستقبل کے حوالہ سے ہی اگر اس پر غور کر لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے اصلاح احوال کی غرض سے اٹھ کھڑے ہوں تو بسا غنیمت ہو گا۔

حضور نبی مکرم، رحمتِ دوعالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم کے آداب، آپ کے حقوق اور آپ کے معاملہ میں امّت کی ذمّہ داریاں، ایسا موضوع نہیں، جس سے لوگوں کو آگاہی نہ ہو، ہر شخص کم از کم اتنی بات ضرور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے

آتا ہے اور اسی کے حکم سے اس کی اطاعت و تابعداری کی جاتی ہے، حتیٰ کہ رب العزت اپنی اطاعت و تابعداری کا راز نبی کی اطاعت ہی میں مضمر بتلاتے ہیں (النساء ۸۰) قریبی دور کے ایک مصلح، مفکر اور دینی و روحانی پیشوا مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ نے بہت کی بات کہی ہے کہ:

"اسلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عبادت سے، رسول اکرم علیہ السلام کو اطاعت سے اور اللہ تعالیٰ کی باقی مخلوق کو (بالخصوص بنی نوع انسان کو) خدمت سے راضی کیا جائے۔"

لیکن بدقسمتی یہ ہوئی اور یہ امت کا مجموعی المیہ ہے کہ امت اس "حق اطاعت" کو فراموش کر کے "عشق و محبت" کی داستان سرائی کا شکار ہو گئی اور اسے بالکل اس کا احساس نہ ہوا کہ "عشق و محبت" کا ہنگامہ شاعرانہ ایج ہے، تقاضائے دین نہیں، تقاضائے دین تو آپ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ ۱۶۵) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آل عمران - ۳۱)

ستم یہ ہے کہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلانے کا معنی یہ ہے کہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا جائے، لیکن "راہ عشق" میں ایسا ہوتا ہی ہے اور ہماری جو خواہش ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صبح قیامت اپنی رحمت اور اپنے نبی علیہ السلام کی شفاعت کا ہمیں مستحق بنا دے اور بس۔ رحمتِ باری سے یہ سعادت میسر آجائے تو پھر کوئی بات باقی نہیں رہتی، ہمارے نزدیک دنیا کی واہ واہ یا دنیا کی کلوخ اندازی کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس واہ واہ وغیرہ کا تجزیہ تو عصر حاضر کے سب سے بڑے خطیب سید الاحرار السید عطاء اللہ شاہ بخاری قدس سرہٗ نے یوں کیا کہ:

ہم نے اچھی تقریر کی، تم نے کہا واہ واہ، ہم گرفتار ہو گئے تم کہا آہ، آہ۔ تمہاری اس واہ اور آہ میں ہم ہو گئے تباہ۔

انسانوں کی طرف سے پذیرائی یا ان کی طرف سے کلوخ اندازی اور طعن و تشنیع، دونوں کی کوئی حیثیت نہیں، اصل حقیقت رضائے الٰہی کی ہے اور بس۔ اس لئے جو حقیقت ہے وہ بے لاگ طریق سے عرض کر دی جاتی ہے ـــــ تاہم اس کی وضاحت بہرحال ضروری ہے کہ کوئی ہماری اس گفتگو کا خلاصہ یہ نہ نکالے کہ جناب پیغمبر اسلام علیہ السلام کا ذکر و تذکرہ بے سود ہے ـــــ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!

ہم فقیہ عصر مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے حوالہ سے "میثاق" میں اس کی فضیلت عرض کر چکے، مزید عرض کریں گے کہ:

نفس ذکر میلاد فخر دو عالم علیہ السّلام کو کوئی منع نہیں کرتا بلکہ ذکر ولادت آپ کا مثل ذکر دیگر سیر و حالات کے مندوب ہے۔

(براہین قاطعہ صہ ۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ)

مزید حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے پاک نفس حضرات بلکہ پھر ان کے قریب تر اہل صلاح کے ادوار میں چھ سو سال تک ان چیزوں کا اہتمام درس و تدریس اور تعلیم و تعلّم کی طرح ہوتا تھا (صہ ۱۵۹)

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ امت کی ضرورت یہ تھی کہ وہ اپنے ہادی و پیشوائے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی سیرت و کردار اور آپ کے اقوال و افعال سے واقف ہو، اسے آداب و حقوق نبوّت کا پتہ چل سکے اور اس کا جذبہ عمل بیدار ہو اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہی طریق انفع تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح لکھا اور فرمایا کہ اس طرح کا معاملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مقدس دور سے اب تک برابر جاری ہے اور محدثین و مشائخ اور اہل صلاح کا یہی روتیہ ہے (اصلاح الرسوم صہ ۶۹)

لیکن اب یہ باتیں عنقا ہیں، قرآن عزیز جو اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے۔ قیام قیامت تک انسانیت کے لئے نسخۂ شفا و ہدایت نامہ، اس کی طرف توجہ نہیں، مساجد میں اس کے درس کا سلسلہ برائے نام ہے، تعلیمی اداروں میں اگر معقول وقت اور طریقہ نہیں تو اس کی تعلیم کا۔ یہی حال حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ارشادات و فرامین (احادیث مبارکہ) کا ہے کہ ان کی تعلیم و تدریس کا فرض کما حقہٗ ادا نہیں ہو رہا۔

جمعہ کے دن ہزاروں مساجد میں حضرات خطباء، خطبہ ارشاد فرماتے ہیں، امریکہ روس کی چپقلش تک کے مسائل ان کے خطبات میں ہوں گے، نہیں ہوگا تو قرآن کا ذکر نہیں ہوگا اور حوالہ نہیں ہوگا تو حدیث کا نہیں ہوگا۔

بزرگان دین کے مزارات سے متصل مساجد وغیرہ میں بزرگوں کی کشف و کرامات سماع و قوالی سبھی کا اہتمام ہوگا لیکن ہدایت کے دو نوشتے (قرآن و سنّت) کا تذکرہ دور دور نہیں ہوگا۔ ریڈیو، ٹی وی جیسے مؤثر ذرائع ابلاغ کے ۱۶،۱۵ گھنٹے کے پروگرام میں مشکل

گھنٹہ بھر کا وقت دینی پروگرام کو ملے گا اور وہ بھی ایسے حضرات کے ذریعہ جنہیں نہ بصیرت روحانی نہ معرفت قرآنی، ارشادات پیغمبر سے واسطہ ہے نہ باخدا اسلاف کی تعلیمات سے (الا ماشاء اللہ تعالیٰ)

یہی حال اخبارات کا ہے، جو اس وقت ایک طرح کی ضرورت بن چکی ہیں، ہر آدمی جنہیں کسی نہ کسی درجہ میں دیکھتا اور پڑھتا ہے لیکن ہفتہ میں ایک دن ملی ایڈیشن کے حوالہ سے "خدمتِ اسلام" اس طرح ہوتی ہے کہ پورے اخبار کا بمشکل بیسواں حصّہ "نذرِ اسلام" ہوتا ہے۔ باقی اس دن بھی اور سارا ہفتہ جس طرح کی چیزیں چھپتی ہیں ان پر تبصرہ نہ کرنا ہی بہتر

ہمارا وجدان واحساس یہ ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ (جن میں ریڈیو، ٹی وی، اخبارات، منبر ومحراب سبھی شامل ہیں) ان کو ایک سال کے لئے حقیقی دینِ اسلام کی خاطر وقف کر دیا جائے۔ اور یہ پروگراموں اور خطبات کے ذمہ دار حضرات مخلص ہوں، ان میں خوف خدا ہو، آخرت کا احساس ہو، قرآن وسنّت اور اسلاف کی پاکیزہ تعلیمات سے وہ واقف ہوں تو اس خفتہ بخت قوم کی قسمت بدل سکتی ہے، لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ یہ وہ جذبات واحساسات ہیں، جو شاید ہی پورے ہوں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی تو بہرطور نہیں لیکن حالات کا نقشہ مزید مایوس کن ہے۔ جو ذمہ دار ادارے سر پر کفن باندھ کر اصلاح احوال کا کام کر سکتے ہیں، ان کی تنظیم، ان کی فکر کے دھارے، ان کی عملی سرگرمیوں وغیرہ، سب ایسی ہیں کہ چاروں طرف اندھیرا محسوس ہوتا ہے اور ایک تاریکی کی سی فضا نظر آتی ہے۔

حضور نبی اکرم، رحمت دوعالم صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہٗ کی ذات گرامی سے گنہگار سے گنہگار اور بے عمل سے بے عمل انسان کو ایک طرح کا لگاؤ ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب کبھی دنیا میں کوئی ایسا فتنہ پروان چڑھتا ہے جس سے اسلام و ذات نبوی پر حرف آتا ہے تو "فقیہہ شہر" "مصلحت بینی" کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے اور "رندانِ قدح خوار" سراپا حرکت و عمل بن جاتے ہیں۔

میرے مخدوم گرامی مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ جب میں اساتذۂ دیوبند کی ہدایت کے مطابق ۲ سال حیدر آباد دکن میں گزار کر واپس اپنے علاقہ میں آیا تو قادیانیت کے جراثیم میرے علاقہ میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے اہل علم، خوانین اور اس قسم کے ذمّہ دار عناصر سے رابطہ پیدا کر کے انہیں توجہ دلانا چاہی لیکن لوگ تھے کہ میری باتوں کو جوانی کے جوش سے تشبیہہ دے کر پرواہ نہ کرتے، آخر میں نے ایسے لوگوں سے رابطہ کیا جنہیں نیک

حضرات" اپنی "نیکی" کی بنیاد پر منہ نہ لگاتے اور فاسق و فاجر خیال کرتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ ردِّ عمل صحیح نہ تھا۔ کوئی اگر فاسق و فاجر ہے بھی تو اس سے نفرت کا سبق تو اسلام نے نہیں پڑھایا بلکہ چاہئے یہ کہ اس کی بیماری کی اصلاح کی جائے ــــ بہر حال بقول مولانا ایسے لوگوں سے ملا تو وہ اس فتنہ کے استیصال کے لئے بڑی ذمّہ داری سے میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا بھی کیا ــــ یہ تو ماضی کی بات ہے، لیکن ہمارے دیکھے واقعات میں ۱۹۷۴ کی تحریک ختم نبوّت اور ۱۹۷۷ کی تحریک ہے، جو گو ابتدا میں انتخابی دھاندلیوں کے خلاف ابھری لیکن عوام کی ہمہ گیر تائید حاصل کرنے کی غرض سے اسے مشرّف بہ اسلام کر کے بعض لوگوں کی خواہش پر "نظامِ مصطفیٰ" کا اسے نام دیا گیا (حالانکہ مفہوم و معنی کے اعتبار سے یہ نام صحیح نہ تھا۔ تفصیل کا موقعہ نہیں) بہر حال جوں ہی اس میں مذہبی رنگ آیا مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے نکل کھڑے ہوئے اور پھر جو ہوا وہ سب کا دیکھا ہوا ہے۔ پولیس تو رہ گئی اپنی جگہ لاہور، کراچی اور حیدر آباد میں جزوی مارشل لاء کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی بندوں نے ملٹری کی "ریڈ لائن" کراس کر کے کاروبارِ جنوں کیا اور رسمِ قلندری زندہ کی ــــ واقعہ یہ ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر لوگ ایسے ہی تھے جو عام حالات میں نماز روزے تک کے پابند نہیں ہوتے اور اس سے قبل لاہور کے غازی علم الدین شہید جیسے کھلنڈرے نوجوان نے امیرِ شریعت السیّد عطاء اللہ بخاری رحمہ الباری کی تقریر سن کر "ناموسِ رسالت" کے لئے قربانی دے دی (رحمہم اللہ تعالیٰ)

حضورؐ کی ذاتِ گرامی سے ایک عام مسلمان کو جو نسبت و تعلق ہے، اس سے فائدہ اٹھا کر یار لوگوں نے ایسے رخ پر ڈال دیا ہے کہ وہ غریب اپنے طور پر اسے "حقِ اطاعتِ رسولؐ" کی ادائیگی سمجھ رہے ہیں لیکن فی الحقیقت ان کی لٹیا ڈوب رہی ہے ــــ کتنی صحیح بات کہی حضرت الامام ابو حنیفہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے محدّث، مفسّر، فقیہ اور مجاہد شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہ :

دین بگڑتا ہے تو تین طبقات کے سبب، ملوک و امراء، علماء سوء اور پیرانِ بے توفیق۔

حکمران طبقہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشے ہوئے اقتدار کا حق" ادا کرنے کے بجائے

اللّے تللّوں کا شکار ہے، اس نے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی ذمّہ داری نبھانے کے بجائے قوم کو تمنّاؤں میں الجھا رکھا ہے۔ ۲۳ مارچ سے ۱۴ اگست تک اور آخری چہار شنبہ سے عید میلاد؟ تک جیسے مذہبی اور قومی ایام کو جس دھوم دھڑکے سے منایا جاتا ہے کہ لوگ سمجھ لیں کہ بس دین و ملک ۔۔کے تقاضے پورے ہو گئے۔

اسلام کے سنہری ادوار میں جمعہ کی چھٹی تک نظر نہیں آتی۔ بس قرآن کے ارشاد کے مطابق نماز کا اہتمام ضرور تھا۔ باقی ہر شخص محنت، مسلسل محنت اور کام کا عادی تھا۔ اسی کی اسے تعلیم اور ہدایت تھی لیکن اب چھٹیاں ہی چھٹیاں ــــــ اور پھر ان کے مواقع پر اسراف و تبذیر اور فحش کلامی، فحش گوئی، رقص و سرود وغیرہ کے مشاغل نے "غیرتِ ملّی" کا جنازہ نکال دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان شہاب الدین غوری نے شکست (اپنے اپنے وقت میں) کے بعد فیصلہ کر لیا کہ ان پر ہر قسم کی آسائش حرام ہے۔ جب تک اس کا بدلہ نہ چکا لیں۔ اس جذبۂ صادقہ نے دونوں کو ہی چند سے بعد کامیابی سے ہمکنار کیا۔ لیکن ہم نے ۱۹۷۱ء کی عبرت ناک شکست کے بعد لہو و لعب، کھیل و تماشہ اور ایسے لغو و لایعنی کام زیادہ کثرت سے کرنے شروع کر دیئے۔ ایک ۱۴ اگست کے دن کپڑا، کاغذ، تیل اور دوسری بنیادی ضروریات جس بے دردی سے برباد ہوتی ہیں، وقت ضائع ہوتا ہے، ملک کی پیداوار متاثر ہوتی ہے، اسی کا ٹھکانہ نہیں، کیا اپنے نصف ملک سے محروم ہو کر یہ لچھن ہمیں زیب دیتے ہیں؟ ایسا ملک جس میں ہزار ہا ہزار انسان جھونپڑی سے محروم ہیں، جس کی ہزاروں بچیاں شادی کی عمر گزار کر باپ کے گھر میں تصویرِ حسرت بنی بیٹھی رہتی ہیں، اس ملک میں یہ طور طریقے درست ہیں؛ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں اور ہم لاکھوں گز کپڑا جھنڈے کی نذر کر دیں۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے ــــــ نبی مکرم علیہ السّلام کی زندگی میں پرچم لہرانے، سرنگوں کرنے وغیرہ کا کوئی معاملہ نہ تھا۔ بس ایک جنگی ضرورت تھی۔ اس موقعہ پر جو میسّر آیا اس سے کام بنا لیا جیسا کہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر اُمّ المؤمنین سیّدتنا عائشہ صدّیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا و رضوانہٗ سے ان کی نصف اوڑھنی لے کر جھنڈا بنا لیا۔

پھر یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ "صفر الخیر" کے آخری بدھ کو طے شدہ حقیقت کے مطابق نبی کریم علیہ السلام کی مرض الموت کی ابتدا ہوئی۔ یاروں نے اسے "غسلِ صحت" کا دن بنا کر سارا دن لہو و لعب میں گزار دیا ــــــ ۱۲ ربیع الاوّل جو وفات کا یقینی دن

ہے اور تحقیق کے مطابق ولادت کا بالکل نہیں (ولادت کا دن وہ ہے بلکہ حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے بقول ۱۰ محرم کو ولادت ہوئی ۔ دیکھیں، غنیۃ الطالبین) اس دن کو جشنِ میلاد قرار دے دیا گیا ـــــ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ـــــ پھر اس دن جو ہوتا ہے کیا یہ مسلم معاشرہ کی تصویر ہے ـــــ ؟ کئی کئی دن لوگ اس کی تیاری کی نذر کر دیتے ہیں جس سے بے پناہ کاروباری نقصان ہوتا ہے ۔ کروڑوں کی بتی پھونک جاتی ہے ۔ اس ملک میں جو مسلسل لوڈ شیڈنگ کا شکار ہے جس میں کارخانے اور ملیں بند پڑی ہیں جس میں پروڈکشن شدید طور پر متاثر ہو رہی ہے، ملک کا انگ انگ غیر ملکی قرضوں کا شکار ہے، ہر پیدا ہونے والا بچہ بھی مقروض ہے ۔ اس میں سرکاری و غیر سرکاری عمارات پر چراغاں ! ـــــ ڈوب مرنے کا مقام ہے، کیا یہ پیغمبرِ اسلام کی تعلیم ہے ـــــ حضور علیہ السلام قرض کی نحوست کا شدت سے ذکر کرتے ہیں، اس سے ڈراتے ہیں اور اس سے بچانے کی تدابیر کرتے ہیں لیکن ہم قرض میں ڈوب کر اس کی ولادت کا جشن مناتے ہیں ۔ الامان ـــــ ۔ الامان ـــــ ۔ الامان ـــــ !!!

کسی حکمران، عالم اور پیرِ طریقت کو احساس ہے کہ اس ملک میں عیسائیت کا سیلابِ بلاخیز کس تیزی سے امت کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہے ۔ غیر ملکی مشن دولت اور عیسائی حکومتوں کی امداد کے بل بوتے پر ہسپتال، ڈسپنسریاں، سکول اور کیا کیا بنا کر مسلمانوں کو شکار کر رہے ہیں اور اسی طرح سے سر آغا خان جیسے سکہ بند انگریز کے بہی خواہ کا پوتا دولت کا دریا بہا کر اور سادہ لوح یا احساسِ ملّی سے ناآشنا مقتدر طبقہ کا تعاون و سرپرستی حاصل کر کے اپنی دنیا بسانے کی فکر میں ہے ۔ لیکن ہم نے یہی سمجھ لیا کہ "جشنِ میلاد" کے بعد دارین کی سعادتیں میسّر آجائیں گی؟

حضرت الامام مجدّد الف ثانی قدس اللہ سرہٗ العزیز جیسے 'مجدّدِ امت' جس نے بدعات و رسومات کے خلاف شدید قسم کا جہاد کیا، اس کے نام پر آج بدعات کو رواج دیا جا رہا ہے اور علم و معرفت سے یکسر ناآشنا سجادگانِ طریقت گلی گلی اس کے عرس کر رہے ہیں ـــــ کتنا حسرتناک معاملہ ہے ۔ ایسے ہی حالات تھے جن کا ذکر حضرت مجدد دین کی غربت کا ماتم کرنے اور ہر کسی کو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے ۔

اس امام مجدد کو دیکھیں اسے فیض ملا حضرت خواجہ مکرم خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ

سے، لیکن اس نے اپنے مخدوم زادگان اور خانقاہ خواجہ باقی باللہ کے مقیم حضرات کو اپنے ایک مکتوب میں بڑی سختی سے لکھا، جب انہیں معلوم ہوا کہ غلط انداز سے اس خانقاہ میں میلاد کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

فقیر جو اتنے مبالغہ کے ساتھ منع کر رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اپنے طریقے کی مخالفت ہے۔ مخالفت رقص و سماع کے ساتھ ہو یا مولود و شعر خوانی کے ساتھ دونوں برابر ہیں ——— از روئے انصاف فرمائیں کہ اگر حضرت خواجہ ہوتے تو کیا وہ اس مجلس مولود خوانی کو پسند کرتے؟ ——— اگر مخدوم زادگان اور احباب اسی روش پر قائم رہے تو ہم فقیروں کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

گویا اس "مردِ حُر" نے پیر کے بیٹوں (صاحبزادگان) سے کنارہ کشی کر لینے کا فیصلہ کر لیا لیکن دینی معاملات میں کوئی تساہل نہ برتا۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ جب سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے اصحاب سجادہ اٹھ کر ایسی حرکات کرتے ہیں ——— ضرورت ہے کہ اس سلسلہ کے وہ اصحاب سجادہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے "استقامت علی السنۃ" کی نعمت سے نواز رکھا ہے وہ آگے بڑھ کر "مسلک مجدد" کی وضاحت کریں۔

بہرحال ہم اپنے میثاق والے مضمون میں توجہ دلا چکے ہیں کہ یہ "کارِ بے خیر" زمانہ نبوت سے چھ سو سال بعد شروع ہوا۔ مجوزین کے حلقہ کی ایک شخصیت مولوی عبدالسمیع صاحب بھی اپنی کتاب "انوار الساطعہ ص۱۵۹" پر اس کا اعتراف کرتے ہیں: "سلطان اربل" جو اس کا موجد تھا اس کا حال ہم عرض کر چکے، مولوی عبدالسمیع صاحب بھی ص۱۶۱ پر اس کا اعتراف کرتے ہیں ——— صاحب تاریخ مرأۃ الزماں کہتے ہیں کہ

"سلطان اربل ظہر سے عصر تک صوفیوں کے لئے مجلس سماع کا اہتمام کرتا اور خود بھی ساتھ ناچتا۔"

اسی کے حکم سے ابن دحیہ نامی ایک شخص نے پہلا میلاد نامہ لکھا جس پر ایک ہزار دینار کا انعام ملا۔ اس شخص کو مشہور محدثین اور ارباب رجال نے متہم بالکذب، ضعیف، شاعر اور نہ معلوم کیا کیا لکھا ہے۔ (دیکھیں حافظ ابن حجرؒ کی لسان المیزان، ابن عساکر کی کتاب الرجال وغیرہ)۔

وہ عزیزانِ گرامی جو ذوقِ سنّت کے بجائے ذوقِ بدعت کا بدقسمتی سے شکار ہیں وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارے قائدین ایسے ہی لوگ ہیں، چنانچہ مولوی عبدالسمیع صاحب فرماتے ہیں:

"پس خوب سمجھ لو کہ ہم اس عمل میں تابع ہیں دستور العمل سلاطین روم اور فرمانروایان ملک شام اور ملوکِ ممالکِ مغربیہ اور اندلس اور مفتیانِ عرب کے (صـ ۱۷۰)

سوال یہ ہے کہ حضور علیہ السّلام جو دین امانت کے طور پر ہمارے پاس چھوڑ گئے اور جس پر عمل ہی دراصل مدارِ نجات ہے، اس سے صرف نظر کرکے ان مشاغل کی وجہ اور ضرورت کیا ہے؟ تو اس کا پتہ مشہور حنفی محدّث و فقیہ ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ "مورد الروی" سے چلے گا۔ ابن جزری م ۸۳۳ھ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

جب نصاریٰ اپنے نبی کی پیدائش کی رات کو عیدِ اکبر مناتے ہیں تو اہل اسلام کو ان سے زیادہ اپنے نبی کی تکریم و عزّت کرنا چاہیے۔

اور ٹھیک یہی بات مولوی عبدالسمیع صاحب نے صـ ۱۷۱ پر لکھی —— اب اس کے بعد کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں محض ایک ارشادِ پیغمبر سن لیں!

"میری امّت پر ایک ایسا دور آئے گا جیسا بنی اسرائیل (یہود قوم مغضوب) پہ آیا، بالکل برابر برابر جیسے ایک جوتا دوسرے کے مساوی و برابر ہوتا ہے... حتیٰ کہ ان میں سے کسی بدبخت و نامراد نے اپنی ماں سے منہ کالا کیا تو میری امت میں بھی ایسے ہوں گے جو اس طرح کا کام کریں گے۔ وہ بہتر گروہوں میں بٹے میری امّت ۷۳ گروہوں میں بٹ جائے گی۔ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے اس ایک ناجی گروہ کا نام پوچھا تو فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے نقشِ قدم پہ چلنے والا ہوگا"

(روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ترمذی المشکوٰۃ و کذا فی مسند احمد و ابی داؤد عن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

امام بخاری اور امام مسلم قدس سرہما ایسی ہی روایت لائے —— اس کا ترجمہ ہے۔ "بے شک تم پیروی کروگے اگلوں کی (مراد یہود و نصاریٰ جیسا کہ محدثین نے وضاحت کی تصریح کی) بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ (یعنی پوری پوری)

کتنا ستم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی جس بات کا خوف دلا رہے ہیں، ہم فخر سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔
—— مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا"
(ص ۱۹)

تو پھر سوال یہ ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو! اس کا جواب آچکا کہ عیسائیوں کی اتباع میں ——
اس پر کوئی کیا تبصرہ کرے۔ صرف دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ:

اللھم اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت
علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ○

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی!!
کیں راہ کہ میروی بترکستان است

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس وقت "غربتِ اسلام" کی جو حالت ہے، اسے لے کر میں کس دروازہ پہ جاؤں، کس سے فریاد کروں اور کس کے سامنے اپنا درد وغم رکھوں؟

حکمران ہیں تو وہ اسلام کے ساتھ کھلا مذاق کرنے پہ تلے ہوئے ہیں، انہیں شاید احساس ہی نہیں کہ ہمیں مرنا ہے۔ حکمرانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ ماضی کو بہت جلد بھلا دیتے ہیں —— اے کاش کم از کم اس ملک میں موجودہ مدعیانِ اسلام حکمرانوں کا ہی یہ رویہ نہ ہوتا اور ان کے سامنے ایوب خان جیسے مردِ آہن یحییٰ خان جیسے شراب وکباب کے رسیا اور بھٹو جیسے مضبوط کرسی کے مالک کا انجام ہوتا ——؟ انہیں احساس ہوتا کہ زمین کیسے کیسے آسمانوں کو کھا جاتی ہے اور پھر مرنے کے بعد کیا انجام ہوتا ہے ——؟

علماء کی اکثریت ہے تو وہ "سوادِ اعظم" کی مفروضہ اور خود ساختہ قیادت کے خول سے باہر نکلنے کو تیار نہیں۔ ان کے ضمیر وخمیر میں امام مجدد الف ثانی سے لے کر مولانا اسمٰعیل شہید تک ہر مصلح کی تکفیر کی گھٹی پڑی ہے۔ اب وہ ملک کی سیاسی قیادت کے صبح وشام خواب دیکھ رہے ہیں اور انہیں مطلق احساس نہیں کہ قوم ہماری بے حسی اور صحیح لفظوں میں بے حمیتی کے سبب جسطرح شرکیہ اعمال اور رسومات وبدعات کے نرغہ کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگلی نسل کے دور میں اسلام کی رسمی صورت بھی دیکھنے کو نہ ملے گی —— ایسا ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کا قہر کسی ایسی شکل میں نازل ہوگا

کہ بخارا و ترکستان اور مشرقی پنجاب کی طرح مدارس و مساجد اصطبل میں تبدیل ہو جائیں گی اور اور مذہبی قیادت کا خواب شرمندہ ہو کر رہ جائے گا ـــــ

قریب قریب ایسا ہی معاملہ سجادگان طریقت کا ہے کہ بڑے ایک دنیا بسا کر چلے گئے اب فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات والی کیفیت ہے ـــــ اسی طرح زمیندار، ملازمین، تاجر، صنعت کار، وکلار، طلبہ، مزدور اور سبھی طبقات کا عالم ہے، دنیا کی دوڑ ہے اور بس اور ایسا دین ہر کسی کو مطلوب ہے جس میں کچھ چھوڑنا نہ پڑے سود، سٹہ، بد دیانتی، رشوت و سفارش سب جائز ہو، جب منبر و محراب سے انہیں میلاد و عرس، گیارہویں اور ایسی رسوم کے ذریعہ بخشش و نجات کی نوید سنائی جائے تو سوچیں ان کا طرز عمل کیا ہوگا ؛

اس لئے ایک رب کا دروازہ ہے اسی سے فریاد ہے اور دعا ہے کہ وہ احکم الحاکمین اور مقلب القلوب ہمارے دلوں کو کفر سے اسلام، شرک سے توحید اور بدعت سے سنت کیطرف پھیر دے ۔ آمین !!

وقت کے اہم نازک اور بحث موضوع

اسلام میں عورت کا مقام

پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کا مدلل و مفصل خطاب

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

عورت اقبال کے کلام میں